ADVANCE SOCIAL SCIENCE ARCHIVE JOURNAL
Available Online: https://assajournal.com
Vol. 04 No. 01. July-September 2025.Page#.655-674
Print ISSN: 3006-2497 Online ISSN: 3006-2500
https://doi.org/10.55966/assaj.2025.4.1.057
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Educational Methods of the Prophetic Era and Their Contemporary Applications

عہد نبوی کے تعلیمی اسالیب اور ان کا عصر حاضر میں استفادہ کی صورتیں

Muhammad Mujahid Aslam
M.Phil. Scholar Minhaj University Lahore
hafizmuhammadmujahid361@gmail.com
Ahmad Fuzail Ibn Saeed
Lecturer, Department of Islamic Studies, Virtual University of Pakistan
ahmad.fuzail@vu.edu.pk
Dr. Nayab Gul
Department of Islamic Studies Virtual University of Pakistan
nayab.gul@vu.edu.pk

ABSTRACT
This paper explores the educational methods adopted by Prophet Muhammad ﷺ and their relevance in contemporary educational frameworks. It analyzes the pedagogical principles of the Prophetic era, including gradual learning, moral development, practical demonstrations, and individualized attention. The study highlights how these methods fostered critical thinking, strong character, and holistic development among learners. Furthermore, it proposes practical strategies for integrating these Prophetic educational models into modern Islamic and general education systems to address current pedagogical challenges, enhance teacher effectiveness, and nurture ethically conscious and socially responsible individuals in today's globalised world.

Keywords
Prophetic Education; Islamic Pedagogy; Teaching Methods; Educational Reforms; Contemporary Applications; Moral Development; Holistic Education.

عہد ِ نبوی ﷺ کے تعلیمی نظام کا جائزہ

عہدِ نبوی ؐمیں نظامِ تعلیم کے مطالعہ سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے نظامِ تعلیم پر بھی نظر ڈالی جائے۔ زمانہ جاہلیت کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ اپنی کتاب کے ایک باب" زمانہ جاہلیت میں تعلیم" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ

"مدرسوں کے معاملے میں کیسے یقین آئے گا کہ اس زمانے میں وہاں نہ صرف تعلیم گاہیں تھیں بلکہ ایسی تعلیم گاہیں تھیں جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں تعلیم پاتے ہوں۔ بہر حال ابن قتیبہ نے بیان کیا ہے کہ مکہ کے قریب رہنے والے قبیلہ ہذیل کی ضرب المثل فاحشہ عورت ظلمہ جب بچی تھی تو مدرسہ جاتی تھی جہاں اس کا دلچسپ مشغلہ یہ تھا کہ دواتوں میں قلم ڈال اور نکال کر کھیلا کرے۔ اس دلچسپ واقع سے اتنا تو

معلوم ہوجاتا ہے کہ قبیلہ قریش کے رشتہ دار قبیلہ ہذیل میں ایسے مدرسے تھے جو چاہے کتنے ہی ابتدائی نوعیت کے کیوں نہ ہوں ان میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں تعلیم پانے کے لیے جاتی تھیں"۔[1]

عکاظ کا میلہ ہر سال اپنی ادبی سرگرمیوں کے لیے خاص شہرت رکھتا ہے۔ عربی زبان کو معیاری زبان بنانے کے لیے اس ادارے نے نمایاں کردار ادا کیا۔ غیلان بن سلمی ثقفی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ہفتہ میں ایک دن علمی جلسہ منعقد کرتا تھا۔[2]

مکہ کے لوگوں نے ہی عربی کو ایک تحریری زبان کی حیثیت عطا کی۔ اس کے علاوہ سبع معلقات مکہ ہی کے معبدِ کعبہ میں لٹکائے گئے۔ عصرِ حاضر میں ڈرامہ نگاری، قصہ نویسی اور ناول نگاری کو اہمیت حاصل ہے۔ مکہ میں بھی اس کا بڑا ذوق تھا۔ لوگ دارالندوہ میں یا کسی بھی شہری مرکز میں جمع ہو کر قصہ کہانیاں اور دلچسپی کا سامان مہیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مدینہ میں یہودیوں نے ایک بیت المدارس قائم کر رکھا تھا جو نیم عدالتی اور نیم تعلیمی ادارہ تھا۔

مکہ میں مسلمانوں کا تعلیمی مرکز

مکہ میں حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کا مکان جو "داب الحجر" میں واقعہ تھا سب سے پہلی تربیت گاہ بنا۔ اس کے بعد "دارارقم" میں ۶ نبوی سے لے کر آخر تک اشاعتِ اسلام اور نومسلموں کی تربیت کا کام آپؐ نے انجام دیا۔ مدینہ طیبہ میں جس مدرسہ کی بنیاد سب سے پہلے پڑی وہ حضرت ابوامامہؓ اور اسد بن زرارہؓ کا مکان تھا۔ جب یثرب کے لوگوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ انہیں تعلیم دینے کے لیے کوئی معلم بھیجا جائے تو آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ منورہ بھیجا۔ وہ پہلے مسلمان تھے جن کا تقرر مکہ سے باہر ایک معلم کے طور پر کیا گیا تھا۔

لازمی تعلیم

موجودہ دور میں جو لازمی تعلیم کا چرچا ہے اس کے لیے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ تعلیم کی اہمیت نے لوگوں کا ذہن اس طرف موڑ دیا بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جب آپؐ نے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم کی تو اس کے دفاعی انتظام کے ساتھ ساتھ آپؐ نے اسلامی نظام تعلیم قائم کیا۔ اس نظام تعلیم میں سب سے مقدم قرآن کی تعلیم تھی۔ پچاس ساٹھ سال پہلے ہندو پاک میں یہ رواج تھا کہ جب تک بچہ قرآن کی تعلیم حاصل نہ کر لیتا اسکول نہ جاتا تھا۔ اللہ کے نبیؐ کے دور میں مدینہ کے ہر مرد و زن کے لیے قرآن کی تعلیم لازمی تھی۔ بچے بڑے اور بوڑھے سب تعلیم حاصل کرتے تھے اور آپؐ اس کی نگرانی خود کیا کرتے تھے۔ قرآن کے احکام کی وضاحت آپؐ بذات خود فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ نے تعلیم کو لازمی قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے"۔

اقامتی درس گاہ

مسلمانوں کی سب سے پہلی اقامتی درس گاہ وہ چبوترہ ہے جو صفہ کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ صفہ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں آپؐ نے مسجد نبوی سے جانب شرق ایک چبوترہ بنوایا تھا اور اس میں ان صحابہ کو رہنے کی اجازت دی جو فقر و غناء کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان اصحاب کو "ضیوف الاسلام" کہا جاتا تھا یہ وہ لوگ تھے جو ہجرت کے وقت راہِ خدا میں اپنی بیوی بچوں اور مال و دولت کو چھوڑ کر مدینہ آگئے اور اپنے آپ کو خدمت

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ، "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" صفحہ نمبر 188

[2] عیون الاخبار، ج:۴، ص:۱۰۳

اسلام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہ جگہ باہر سے تعلیم کے لیے آنے والوں کے علاوہ مقامی بے گھر طلباء کے لیے بھی دار الاقامے اور مدرسہ کا کام دیتی تھی۔ اس درس گاہ میں لکھنے پڑھنے کی سادہ تعلیم کے علاوہ دین، قانون، اخلاق، فن تجوید اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم بھی دی جاتی تھی جس کی نگرانی آپ ؐخود کیا کرتے تھے۔ حضرت عبادہ بن صامت ؓ کہتے ہیں:

'' رسول اللہ ؐ نے مجھے صفہ میں اسی غرض کے لیے مامور کیا تھا کہ میں لوگوں کو لکھنے پڑھنے کی اور قرآن کی تعلیم دوں ''۔

مدینہ منورہ سے ناخواندگی کے خاتمہ کے لیے آپ ؐ نے جو اقدامات کیے ان میں ایک اقدام یہ بھی تھا کہ آپ ؐ نے سعید بن العاص ؓ کا تقرر کیا تھا کہ وہ لوگوں کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیں۔ صفہ کی درس گاہ میں مقیم طلبہ کی تعلیم کے انتظام کے علاوہ وہ لوگ بھی حصول علم کے لیے آتے تھے جن کے گھر مدینہ میں تھے۔ یہاں مقیم طلبا کے رہنے اور خوراک کا انتظام آپ ؐ کیا کرتے تھے۔ درسگاہ کے طلباء کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور یہ طلبا اپنے روزگار کے سلسلہ میں فرصت کے اوقات میں کام بھی کیا کرتے تھے۔

مدینہ طیبہ میں صفہ کی درسگاہ کے علاوہ اور بھی درسگاہیں ہوں گی کیونکہ آپ ؐ کے زمانہ میں مدینہ میں نو مسجدیں تھیں اور اس میں درس و تدریس کے سلسلے بھی چلا کرتے تھے جہاں محلے کے بچے پڑھنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ قبا جو کہ مدینہ کے جنوب میں ڈھائی میل کے فاصلے پر واقع ہے وہاں آپ ؐ وقتاً فوقتاً جاتے اور مسجد اور مدرسے کی نگرانی کرتے تھے۔

تعلیم بالغان:

تعلیم بالغان کا بھی خاص طور پر انتظام تھا۔ جو مہاجر تجارت پیشہ تھے وہ دن بھر مصروف رہتے تھے۔ لہٰذا فارغ اوقات میں وہ آپ ؐ یا صحابہ ؓ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح انصار جو زراعت پیشہ تھے وہ کاشت کاری سے فارغ اوقات میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مہاجروں کی آمد کی وجہ سے مدینہ شہر سے باہر بھی بستی آباد ہونے لگی تھی جو لوگ باہر آباد تھے ان کے لیے روزانہ آنا اور جانا ایک مسئلہ تھا۔ لہٰذا وہ ایک دن چھوڑ دوسرے دن آتے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے اپنی اپنی باریاں مقرر کر رکھی تھیں کہ ایک دن ایک ساتھی تعلیم حاصل کرنے جاتا اور پھر اس سے اپنے ساتھی کو آگاہ کرتا اور دوسرے دن دوسرا ساتھی جاتا اور واپس آکر اپنے ساتھی کو اس تعلیم کے بارے میں آگاہ کرتا جو وہ خود حاصل کر کے آیا تھا۔

مقامی لوگوں کے علاوہ دور دراز کے لوگ جب دائرہ اسلام میں داخل ہوتے تو وہ مدینہ آکر تعلیم حاصل کرتے اور پھر واپس جا کر اپنے قبیلہ والوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے۔

"اور یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ سب اہل ایمان نکل کھڑے ہوتے مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکل آتے کہ وہ دین کا فہم حاصل کرتے اور جب واپس جاتے تو اپنی قوم کے لوگوں کو باخبر کرتے تا کہ وہ بیدار ہو جاتے"۔(3)

---

[3] التوبہ 122

اس آیت سے جو اصولی بات نکلتی ہے وہ یہ کہ علم دین کو عام کرنے کے لیے حالات کی مناسبت سے مختلف طریقے اختیار کیے جائیں۔ دینی تعلیم و تربیت کی ضرورت بچوں اور بڑے دونوں کے لیے ہے۔ آیت میں اصلاً بڑوں میں دین کا شعور پیدا کرنے کی تلقین کی گئی ہے دین کی تعلیم میں اصل اہمیت دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کو دی گئی ہے۔ اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ علم دین کے لیے سفر بھی کیا جائے۔

مخصوص اساتذہ کا تقرر

احادیث نبویؐ کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ نے تعلیم میں توسیع ہونے کے بعد تعلیم کے کسی خاص شعبہ میں مہارت پیدا کرنے کے لیے مخصوص اساتذہ بھی مقرر کر دیے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے قرآن میں مہارت حاصل کرنے کے لیے فرمایا۔ بخاری کی ایک روایت ہے کہ آپؐ مسلمانوں کو اپنے چار اصحاب سے قرآن پاک پڑھنے اور اسلام سیکھنے کا حکم دیا کرتے تھے جن میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، سالم مولیٰ ابی خذیفہؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور معاذ بن جبلؓ۔ حضرت عبد اللہ بن سعیدؓ اسلام لائے تو آپؐ نے ان کو مسلمانان مدینہ کے لیے معلم مقرر کیا تاکہ قرآن حکیم اور لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیں۔ اس کے علاوہ آپؐ فن تجوید یعنی قرآت میں مہارت حاصل کرنے کے لیے طلبہ کو حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس بھیجا کرتے تھے اور میراث سے متعلق احکام قرآنی کا علم حاصل کرنے کے لیے طلبہ کو حضرت زیدؓ کے پاس بھیجا کرتے تھے۔

شفا بنت عبد اللہؓ کو آپؐ نے شہر کی منڈی میں خرید و فروخت کے معاملات (امر السوق) پر مامور فرمایا تھا[4]

اس کے علاوہ آپؐ نے شفا بنت عبد اللہ کو ام المومنین حضرت حفصہؓ کی تعلیم کے لیے مامور کیا تھا۔

فن جراحی

الربیع بنت مصودہؓ کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ اسلامی فوج کے ساتھ خواتین بھی رہا کرتی تھیں تاکہ زخمیوں کی دیکھ بھال میں مدد، پانی پلائیں اور زخمیوں کو واپس مدینہ پہنچائیں۔[5]

قبیلہ بنی اود کی مشہور طبیبہ زینبؓ ماہر امراض چشم تھیں۔ ذہنی تربیت کے ساتھ ساتھ جسمانی نشوونما بھی ضروری ہے۔ اس کے لیے بھی آپؐ نے اقدامات کیے۔ بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ آپؐ نے جہاں مدینیات کی تعلیم کا حکم دیا وہیں آپؐ نے تیر اندازی، نشانہ بازی، تیراکی اور گھوڑ سواری کی تعلیم کا بھی حکم دیا۔

اسپورٹس (کھیل)

مردانہ کھیلوں میں آپؐ کو شہ سواری، تیر اندازی، نشانہ بازی، کشتی اور گھوڑ دوڑ کے مقابلے پسند تھے۔ تیراکی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپؐ نے اپنی ننھیال کے کنویں میں تیرنا سیکھا تھا۔

کشتی کے فن کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپؐ نے رکانہ پہلوان کو تین بار کشتی میں پٹک دیا۔ اسی طرح جنگ احد میں چند کم عمر نوجوانوں کو کشتی میں ماہر ہونے کی وجہ سے کم عمری کی کے باوجود غزوہ میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔

دوڑ کے مقابلے میں بھی آپؐ کے دور میں مقبول تھے اور آپؐ اس پر خود انعام دیا کرتے تھے۔ گھوڑ دوڑ کے مقابلے میں الگ الگ مسافتیں مقرر کی گئیں تھیں۔ وہ گھوڑے جو تربیت یافتہ تھے ان کے لیے دوڑ میں کچھ الگ مسافت تھی اور غیر تربیت یافتہ گھوڑوں کے لیے الگ مسافت اور آپؐ خود

[4] ابن حجر، الاصابہ

[5] ابن حجر، الاصابہ

جیتنے والے کا تعین کرتے تھے۔ اول، دوم، سوم، چہارم آنے والوں کو انعام بھی دیا جاتا تھا اور یہ انعام کھانے کی چیزیں کھجور وغیرہ اور دوسری چیزیں بھی ہوتی تھیں۔ مدینہ منورہ میں ایک مسجد السبق ہے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آپ ؐکھڑے ہو کر جیتنے والوں کی نشاندہی کیا کرتے تھے۔
نشانہ بازی کے انعامات کا ذکر بھی احادیث میں ملتا ہے۔ ان کے علاوہ آپ ؐنے وزنی پتھر اٹھانے کے مقابلے بھی کروائے۔ ایسے تمام کھیل جو صحت مند معاشرے کے لیے ضروری تھے آپ ؐنے ان سب کو روا رکھا اور پسندیدگی بھی ظاہر کی۔ اس کے علاوہ دوڑ کے مقابلے بھی آپ ؐکے زمانے میں ہوتے تھے۔ دوڑ سے متعلق ہمیں سیرت میں وہ حدیث بھی ملتی ہے جو آپ ؐکی اور حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ سے متعلق ہے جس میں پہلی دوڑ میں حضرت عائشہؓ آپ ؐکو ہرا کر مقابلہ جیت جاتی ہیں اور چند دنوں بعد جب دوبارہ دوڑ ہوتی ہے تو اس میں آپ ؐجیت جاتے ہیں اور حضرت عائشہؓ پر جتا بھی دیتے ہیں کہ یہ بدلہ ہے اس دوڑ کا۔ ان تمام واقعات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صحت مند معاشرے کے لیے تفریح اور کھیل کود بھی ضروری ہے اور اسلامی معاشرہ ایک مثالی معاشرہ ہے۔
آپ ؐکو سب سے زیادہ مرغوب گھوڑے کی سواری تھی۔ مدینہ سے باہر ایک میدان (چھ) میل تک پھیلا ہوا تھا یہاں پر گھوڑ دوڑ کی مشق کرائی جاتی تھی۔ دوڑ کے جو گھوڑے تھے ان کی تیاری کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے گھوڑوں کو خوب کھلا پلا کر موٹا کیا جاتا تھا اور جب یہ موٹے ہو جاتے تھے ان کو گھر میں باندھ کر رکھا جاتا۔ ان کی غذا ابھی کم کر دی جاتی اور ان پر پار جامہ کسا جاتا جس سے خوب پسینہ آتا۔ روز یہ عمل دہرایا جاتا۔ چالیس دن تک مسلسل یہ عمل کیا جاتا، جب گھوڑا چھریرے بدن کا ہو جاتا تو اس کو دوڑ میں لایا جاتا تھا۔ آپ ؐنے اس کی ذمہ داری حضرت علیؓ کے سپرد کی تھی۔ دوڑ کے لیے چند قاعدے مقرر کیے گئے تھے۔ اونٹوں کی بھی دوڑ ہوا کرتی تھی۔

مردم شماری

اللہ کے نبی ؐکی بے مثال قیادت، لازوال معاشرے کے وجود کا باعث بنی۔ تبلیغ اور اشاعت علم ایک لازمی فریضہ قرار دیا گیا جس کی وجہ نو مسلم بھی مبلغ بن جاتے تھے اور اپنے اپنے ماحول اور علاقوں میں فریضہ اقامت دین ادا کرتے تھے۔ ان کی اس کارکردگی سے روز افزوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ مدینہ جب ایک اسلامی ریاست کی شکل اختیار کر گیا تو اطراف کے علاقوں سے مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ یوں مدینہ، مکہ سے زیادہ طاقتور ہو گیا۔ سن ہجری کے آغاز پر مدینہ کی آبادی دس ہزار کے لگ بھگ تھی ہجرت کے فوراً بعد آپ ؐنے حکم دیا کہ ”میرے لیے سارے کلمہ گو مسلمانوں کے نام لکھو“۔ یعنی ایک فہرست تیار کی جائے۔
صحیح بخاری میں ایک مردم شماری کا ذکر ہے جس میں پندرہ سو مردوں اور عورتوں کا اندراج ہے۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اسلامی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے آپ ؐنے مردم شماری کرائی تھی۔ غزوات اور حجۃ الوداع کے موقع پر جو تعداد ہمارے سامنے آتی ہے اس سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وقتاً فوقتاً مردم شماری کروائی جاتی تھی۔ آپ ؐکے وصال تک کہا جاتا ہے کہ مدینہ کی آبادی بیس ہزار تک پہنچ چکی تھی اور اس سے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر عورتوں اور مردوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر علاقے سے سارے مسلمان حج کے لیے آچکے ہوں جبکہ عہد نبوی کے آخر میں سارا عرب، جس کا رقبہ تقریباً تیس لاکھ مربع کلومیٹر تھا اسلامی سلطنت میں شامل تھا یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم از کم پانچ لاکھ ہو چکی ہو گی۔

عہدِ نبویؐ میں مسجد کا کردار

تعمیرات کے باب میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ آپؐ نے ہجرت کے بعد سب سے پہلے جس بات کی طرف توجہ دی وہ مسجد کی تعمیر تھی۔ مسجد نبویؐ جس جگہ تعمیر ہوئی اس کے بارے میں روایات سے پتہ چلتاہے کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں آپؐ کی ہجرت سے قبل نماز پڑھائی جاتی تھی۔ اسلامی معاشرے میں مسجد کا کردار بہت اہم ہے۔ آپؐ نے نئے معاشرے کی تعمیر کے لیے جو پہلی اینٹ رکھی وہ مسجد ہی تھی۔ مسجد اسلامی معاشرے میں روحانی اور مادی رہنمائی کا اولین سرچشمہ ہے۔ مسجد عبادت گاہ، علم کا مرکز ومنبع اور ادب کی مجلس ہے۔

اسلام کے دورِ اوّل میں مسجد نبوی بطور مدرسہ استعمال ہوتی تھی۔ معاشرے کے لیے تمام کوششیں اسی مسجد سے وابستہ تھیں۔ مسجد ایک اجتماعی ادارہ ہے۔ مسجد ایک تعلیم گاہ ہے۔ مسجد ایک تربیت گاہ ہے۔ نبی کریمؐ اسی مسجد میں صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیتے تھے۔

یہاں علمی و قانونی مسائل پر بحث کی جاتی تھی، قرآنی نکتوں کی وضاحت ہوتی تھی، یہاں جانثارانِ رسولؐ اکٹھا ہو کر اپنے دامنوں کو علم کے جواہر سے آراستہ کرتے تھے۔ مسجد کے منبر سے تعلیم وہدایات کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔ یہاں مسلمانوں کو نظم وضبط، مساوات، اتحاد و بھائی چارہ کا درس دیا جاتا تھا۔ قرآن میں مسجدوں کو بیوت اللہ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ مسجد کی تعمیر در اصل اجتماعی زندگی کی تعمیر ہے۔ یہ وہ فیکٹری ہے جہاں عرب بدوئوں نے اسلام کے ڈھانچے میں ڈھل کر دنیا کی امامت و پیشوائی کا منصب حاصل کیا۔ مسجد ہی نے ان میں ایک فکری وحدت پیدا کی۔ مسجد نبوی عمرانی اور معاشرتی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ تھی اور نئے معاشرے کی تعمیر کی اولین بنیاد تھی۔ انہیں تمام وجوہات کی بنا پر عہد نبویؐ اور عہد خلفاءؓ کے بعد کے دور میں مساجد مسلمانوں کے علمی مراکز بن گئیں۔ ان مساجد میں مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام کیا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ کتب خانوں کا بھی انتظام کیا جاتا تھا۔ مسجد کے ساتھ ملحقہ کمروں میں طلبا کی رہائش ہوا کرتی تھی۔ عہد نبویؐ میں مسجد اجتماعی اغراض کا مرکز تھی یعنی مسجد صرف عبادت گاہ ہی نہیں بلکہ سیاسی، اجتماعی زندگی کا مرکز تھی۔ آپؐ مسجد میں سفیروں سے ملاقات فرماتے تھے اور سیاسی اور مذہبی تقریریں فرماتے تھے

عہد نبوی میں مسجد میں ان تمام امور کا اعلان کیا جاتا تھا جن کا تعلق مفاد عامہ سے ہوتا تھا۔ عہد نبوی میں درس کے لیے ایک جامع کتاب رکھی گئی تھی یا یوں کہہ لیجیے کہ جو سیلبس بنایا گیا تھا اس میں صرف ایک کتاب تھی جو تمام علوم کا سرچشمہ تھی۔ وہ اللہ کی کتاب قرآن مجید تھی۔ اس میں سارے علوم کی اساسی چیزیں موجود ہیں۔ عقائد، عبادات، قانون، سیاست، تاریخ، معیشت، اخلاق، علمِ فلکیات، علمِ ارضیات، علم حیوانات نیز ہر علم کی طرف رہنمائی کرنے والی یہ واحد کتاب تھی۔

آپؐ کا انداز یہ رہا کہ جہاں بھی کچھ لوگ نظر آتے آپؐ ان کو مخاطب کر کے قرآن کی کچھ آیتیں پڑھتے اور اسلام کی دعوت دیتے، اس کے لیے منڈی، بازار، میلے میں تشریف لے جاتے تھے۔

کبھی یہ ہوتا تھا کہ کسی خاص مسئلہ پر آپؐ سے صحابہؓ پوچھ لیا کرتے تھے۔ جیسے کہ ماں کے حقوق سے متعلق ایک مشہور حدیث ہے کہ ایک شخص نے آپؐ سے دریافت کیا کہ مجھ پر سب سے زیادہ کس کا حق ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تمھاری ماں کا۔ اس شخص نے یہ بات تین دفعہ دریافت کی اور آپؐ نے یہی فرمایا کہ تمہاری ماں کا اور چوتھی دفعہ پوچھنے پر فرمایا تمہارے باپ کا۔

اسی طرح دین سکھانے کے بارے میں وہ حدیث جو حضرت جبرئیلؑ کی تشریف آوری اور پھر آپؐ سے سوالات سے متعلق ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آپؐ لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے کہ آپؐ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے دریافت کیا: یارسول اللہؐ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”کہ ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ تم اللہ کی ذات پر، ملائکہ کے وجود پر، روزِ حشر اللہ کے حضور پیش ہونے پر، اللہ کے

رسولوں کے برحق ہونے پر ایمان لائو اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا یقین رکھو"۔ اس نے مزید سوال کیا: یارسول اللہؐ اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

" اسلام یہ ہے: (1) تم محض اللہ کی عبادت کرو اور عبادت میں کسی غیر کو شریک نہ بناو۔ (2) فرض نمازیں ادا کرو۔ (3) زکوٰۃ دو (4) رمضان کے روزے رکھو"۔ پھر اس نے دریافت کیا، احسان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:" احسان یہ کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اس لیے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تو یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے"۔ پھر اس نے سوال کیا: یارسول اللہؐ قیامت کب برپا ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا:" جس سے سوال کیا گیا ہے قیامت کے بارے میں وہ بھی سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ البتہ میں تم کو قیامت برپا ہونے کی کچھ نشانیاں بتائے دیتا ہوں۔ جب لونڈی اپنے آقا جنے گی اور جب اونٹوں کے سیاہ فام چرواہے بڑی بڑی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے پر بازی لے جائیں گے۔ دراصل قیامت کا علم ان پانچ امور غیبیہ میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔ پھر آپؐ نے آیت کریمہ تلاوت فرمائی([6])۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس گفتگو کے بعد وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا گیا معاً آپؐ نے فرمایا:" اسے واپس بلائو"۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اس کو تلاش کیا لیکن اس کا کوئی سراغ نہ ملا تو آپؐ نے فرمایا:" کہ یہ حضرت جبرئیلؑ تھے جو اس غرض سے آئے تھے کہ اس طرح لوگوں کو دین کے ضروری امور کی تعلیم حاصل ہو"۔ (حدیث)

مدینہ سے باہر اساتذہ کا تقرر

مدینہ سے باہر اساتذہ کو آپؐ نے وفود کی شکل میں روانہ کیا۔ دو تبلیغی وفود کے ساتھ مشرکین نے دھوکہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔

صفر ۴ھ کا واقعہ ہے کلب کے رئیس ابو براء الکلابی کی درخواست پر آپؐ نے ستر قاری حضرات کا ایک وفد تبلیغ کی غرض سے روانہ کیا مگر عامر بن طفیل الکلابی نے ان تمام افراد کو شہید کر دیا۔ ان میں سے ایک صحابی بڑی مشکل سے جان بچا سکے۔ اسی طرح کا دوسرا واقعہ اسی سال رجیع کے مقام پر پیش آیا۔ یہ دوسرا تعلیمی وفد تھا۔ جو عضل و قارہ کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ اس وفد کی قیادت عاصم بن ثابت انصاریؓ کر رہے تھے۔ اس وفد کے ارکان کو بنو لحیان کی مدد سے شہید کر دیا گیا تھا۔

اجتماعات:

اشاعت علم کے لیے مذہبی اجتماعات بھی موزوں ہوتے تھے۔ لہٰذا آپؐ جمعہ، عیدین اور حج کے موقع پر بھی تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے۔

تبلیغی خطوط

آپؐ نے اشاعت دین و علم کے لیے مختلف ممالک کے حکمرانوں کو اور مختلف قبائل کے سرداروں کو خطوط لکھے جن کا ذکر پچھلے اوراق میں کیا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں" صوبہ وار درس گاہوں کا معیار بلند کرنے کے لیے آپؐ نے صوبہ یمن میں ایک صدر ناظر تعلیمات مقرر کیا تھا جس کا کام یہ تھا کہ مختلف اضلاع و تعلقات میں ہمیشہ دورہ کرتا رہے اور وہاں کی تعلیم اور تعلیم گاہوں کی نگرانی کرے"۔ تعجب نہیں جو اور صوبہ جات میں بھی اس طرح کے افسر مامور کیے گئے ہوں۔ ([7])

[6] لقمان:34

[7] عہد نبوی میں نظام حکمرانی 209

مذہبی اور دنیاوی تعلیم

مذہب کے ٹھیکیدار یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کے علاوہ دوسرا علم نہیں حاصل کرنا چاہیے۔ آزادی سے قبل اور آج تک ہندوپاک کے دیہاتوں میں یہی طریقہ رہاہے کہ دنیا کی تعلیم حاصل نہ کی جائے یالڑکیوں کو تعلیم نہ دی جائے۔

اس سے متعلق ڈاکٹر صاحب اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ " یمن کے گورنر عمرو بن حزمؓ کے نام جو طویل تقرر نامہ یاہدایت نامہ جناب رسالت مآبؐ نے لکھا تھا۔اسے تاریخ نے محفوظ رکھاہے۔اس میں بھی گورنر کو ہدایت ہے کہ لوگوں کے لیے قرآن حدیث اور علومِ اسلامیہ کی تعلیم کا بندوبست کریں۔اس دستاویز پر ایک اور جملہ بڑادلچسپ یہ بھی لکھاہوُا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی اور دنیاوی تعلیم میں کس طرح فرق کرنا چاہیے اور جملہ یہ ہے کہ " لوگوں کو اس بات کی نرمی سے ترغیب دو کہ وہ دینیات کی تعلیم حاصل کریں"۔

دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اللہ کے نبیؐ نے مختلف اوقات میں مختلف علوم حاصل کرنے کا حکم دیا جس کا ذکر کیا جاچکاہے۔گورنروں کو نماز روزہ، وضو، غسل اور حج کے احکامات کی تعلیم رائج کرنے کے ساتھ ساتھ خاص کر زراعت، تجارت اور نقد بچت کی تعلیم دینے کے لیے بھی کہا گیا تھا۔آپؐ نے غیر زبانوں کو سیکھنے کا حکم دیا تھا جیسے کہ حضرت زید بن ثابتؓ خود فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا" میرے پاس مختلف خطوط آتے رہتے ہیں اور میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ ان خطوط کو ہر کوئی پڑھے تو کیا تم عبرانی زبان کا لکھنا پڑھنا سیکھ سکتے ہو، میں نے عرض کیا کہ ہاں سیکھ سکتا ہوں"۔چنانچہ میں نے سترہ دن ہی میں وہ زبان سیکھ لی۔اس طرح عبد اللہ بن زبیرؓ بھی بہت سی زبانیں جانتے تھے۔

جنگ بدر کے نتائج میں اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا جاتاہے کہ بدر کے ستر اسیروں میں سے جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اللہ کے نبیؐ نے ان کی رہائی کی یہ شرط رکھی کہ ان میں سے ہر ایک قیدی دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے گا۔

خواتین کی تعلیم

اسلام نے عورت کو معاشرے میں بلند مقام عطا کیاہے۔قرآن کریم اور احادیث کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو تمام معاملات میں مردوں کے مساوی حقوق عطا کیے۔اگر کہیں عورت کو کسی وجہ سے مرد سے کم درجہ دیا تو یہ بھی عورت کی شان بڑھانے ہی کا موجب ہے۔اس بحث سے قطع نظر کے اعمال اور ان کی جزا و سزا میں عورت اور مرد برابر ہیں، آپؐ نے عورتوں اور مردوں دونوں کو علم حاصل کرنا فرض قرار دیا۔یہاں تک کہ آپؐ نے لونڈیوں کو بھی تعلیم دلانے کا حکم دیا اور اس پر اجر و ثواب کا مژدہ بھی سنایا۔اس اجر و ثواب کی اہمیت کو یوں بیان کیا کہ جو اپنی لونڈیوں کو تعلیم و تربیت دے کر ان سے نکاح کرے گا اسے دوگنا ثواب ملے گا۔

مختلف عنوانات کے تحت ہم عورتوں کی علمی کوششوں اور ماہرانہ صلاحیتوں کے بارے میں پڑھ آئے ہیں۔اللہ کے نبیؐ نے ان کی تعلیم و تربیت پر اسی طرح توجہ دی جیسے مردوں کی۔خواتین کے مخصوص مسائل کے لیے آپؐ کی ازواجِ مطہرات نے اس فریضہ کو انجام دیا۔عیدین کے موقع پر آپؐ خواتین کی طرف رخ کر کے خطاب فرماتے۔درس و تدریس کا کام مسجد میں ہوتا تھا۔جب آپؐ کو یہ شکایتیں ملیں کہ اصحابؓ اپنی بیویوں کو مسجد آنے سے روکتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ

" تم اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد میں جانے سے نہ روکو"۔

خواتین نے آپ ؐ سے درخواست کی کہ ان کے لیے ہفتہ میں ایک دن تعلیم و تربیت کا رکھیں تو آپ ؐ نے ان کی درخواست پر ایک دن ان کی تعلیم کا مقرر کر دیا۔ تعلیم یافتہ خواتین میں اس وقت حضرت عائشہؓ کے ہم پلہ کوئی نہ تھا۔

بچوں کی تعلیم

بچوں کی تعلیم کی طرف بھی آپ ؐ نے توجہ دی اور والدین کو ان کی عمدہ تعلیم و تربیت کرنے کا حکم دیا۔ صالح اولاد کو صدقہ جاریہ بتایا۔ دو بیٹیوں یا دو بہنوں کی بہترین پرورش و تعلیم و تربیت کر کے ان کے نکاح کرنے پر جنت میں اپنے ساتھ ہونے کا مژدہ سنایا۔

اس کے علاوہ آپ ؐ نے فرمایا کہ بچوں کو نماز کا حکم دو۔ سات سال کی عمر سے بچوں کو نماز پڑھنے کی عادت ڈالو اور اگر نہ پڑھیں تو انہیں سزا بھی دینے کو کہا۔ لیکن ایسی سزا نہیں جو آجکل ماں باپ یا استاد دیتے ہیں۔ فہمائش کے ذریعے جو کام ہو سکتا ہے وہ زدو کوب کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ آپ ؐ نے فرمایا کہ بچوں کو ابتدا ہی سے تیر اندازی، نشانہ بازی، گھوڑ سواری اور تیراکی کی تعلیم دو۔ آپؐ کو بچوں کی تعلیم کا ہمیشہ خیال رہتا تھا۔ آپ ؐ کے نزدیک بچوں کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے افضل ہے۔([8])

تعلیم کے سلسلے میں آپ ؐ کی کوششوں اور اقدامات کا ذکر کرنے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ ؐ کے اندازِ تعلیم کی خصوصیات کو بھی بیان کیا جائے۔ اگر اس کا ذکر نہ کیا جائے تو مضمون کا حق ادا نہ ہو گا۔

آپ ؐطبیبِ اعظم تھے۔ ماہر نبض شناس تھے۔ معاشرے کی برائیوں پر آپ ؐ کی نظر تھی۔ آپ ؐانسانی نفسیات کو سمجھتے تھے۔ لہٰذا آپؐ کا اندازِ تعلیم و تربیت بھی نفسیاتی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو حکم دیا تھا کہ:

" اے نبیؐ اپنے رب کی طرف دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔ تمہارا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ راست پر ہے۔([9])

آیت کی رو سے پہلا حکم بلانا ہے رب کے رستے کی طرف دوسرا حکم حکمت کے ساتھ یعنی ایسے انداز کہ سننے والا اس کو فوراً قبول کر لے۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ انداز ایسا ہو کہ سننے والے کو ناگوار نہ گزرے بلکہ وہ اس کو فوراً قبول کر لے۔ چوتھا حکم یہ تھا کہ بحث بھی ایسی ہو کہ مخاطب قائل ہو جائے۔ محبت کے ساتھ، دلیل کے ساتھ، اخلاق کے ساتھ اور اعتماد کے ساتھ۔ آپؐ کا طریقہ تعلیم بھی ایسا ہی تھا۔

ان چار خصوصیات کے علاوہ آپ ؐ کی تعلیم میں اور کئی خصوصیات پائی جاتی تھیں جن میں قولِ لین، تالیفِ قلب، شفقت، عفو و درگزر شامل تھا۔ آپؐ نے اپنے بارے میں فرمایا کہ " میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

آپ ؐ کے اس انداز کو ہم اپنا لیں تو دنیا سے ناخواندگی کا خاتمہ کر سکیں گے۔ آپ ؐ کا یہ طرز تعلیم کئی صدیوں تک چلتا رہا تب ہی امتِ مسلمہ میں امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام یحیٰؒ جیسے ائمہ پیدا ہوئے۔

عہدِ نبوی میں نظامِ تعلیم و تربیت کی اہمیت:

حضرت محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانے میں پیدا ہوئے اس وقت مکہ بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا تمغۂ امتیاز صرف یہ تھا کہ اس صنم کدے کے متولی اور کلید بردار تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بتوں

---

[8] الترمذی،195-4:337

[9] النحل:125

کے آگے سر نہیں جھکایا۔ مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک غار تھا۔ جسے حراء کہتے ہیں، آپ وہاں جا کر قیام فرماتے اور مراقبہ کرتے۔ کھانے پینے کا سامان لے جاتے، بخاری شریف کی روایت کے مطابق آپ غارِ حرا میں "تحنث" یعنی عبادت کیا کرتے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ عبادت غور وفکر اور عبرت پذیری تھی؛ چنانچہ اس غار میں آپ کو نبوت کے عظیم ترین منصب پر فائز کیا گیا۔ نبوت کے بعد جو حالات پیش آئے وہ کسی بھی طالب سیرت کی نگاہ سے مخفی نہیں ہے؛ چنانچہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے کوئی متعین تعلیمی و دعوتی مرکز نہ تھا، جہاں رہ کر وہ اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنی دعوتی سرگرمیوں کو جاری رکھتے۔ در حقیقت مکی دور میں خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی متحرک درس گاہ تھی۔ سفر وحضر، دن اور رات ہر حال اور ہر مقام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات دعوت و تبلیغ تھی۔ صحابہؓ کرام عام طور پر چھپ کر ہی قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ کفارِ مکہ کی ستم رانیوں کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کرام اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہے۔ مکی دور کے ایسے مقامات اور حلقہ جات کو دعوت و تبلیغ کے مراکز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ جہاں حالات کی نزاکت اور ضرورت کے مطابق کسی نہ کسی انداز میں اسلام کی نشر و اشاعت کا کام ہوتا رہا، بنابریں۔ سطور ذیل میں مکے کے تعلیمی و تربیتی نظام پر روشنی ڈالی جائے گی۔

درس گاہ بیت ابو بکر

مکی دور میں دعوت و تبلیغ کا اولین مرکز حضرت صدیق اکبر کا گھر تھا، آپ نے گھر کے صحن کو مسجد بنا رکھا تھا۔ ابتدا میں یہ ایک کھلی جگہ تھی جس میں آپ قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھا کرتے تھے۔ عام طور پر آپ بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو کفارِ مکہ کے بچے اور عورتیں ان کے گرد جمع ہو کر قرآن سنتے۔ جس سے وہ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہوتے۔ یہ صورتِ حال مشرکینِ مکہ کو بھلا کب گوارا تھی؛ چنانچہ انھوں نے حضرت ابو بکر کو سخت اذیت میں مبتلا کیا، جس کی وجہ سے آپ نے مکہ سے ہجرت کا ارادہ کر لیا؛ مگر راستے میں قبیلۂ قارہ کے رئیس ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا اے ابو بکر کدھر کا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا قوم نے مجھے ہجرت پر مجبور کر دیا ہے، اب دنیا کی سیر کروں گا اور کسی گوشہ میں اطمینان سے اپنے رب کی عبادت کروں گا؛ مگر ابن الدغنہ یہ کہہ کر آپ کو واپس لے آیا کہ آپ جیسے باکردار شخص کو ہجرت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور پھر حضرت صدیق اکبر کے لیے اپنی پناہ کا اعلان کیا۔ ابو بکر واپس تشریف لے آئے اور گھر کے صحن میں باقاعدہ مسجد بنالی:([10]

مسجد ابی بکر میں نہ کوئی مستقل معلم مقرر تھا اور نہ کوئی باقاعدہ طالب علم تھا؛ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے یہ مسجد تعلیم و تربیت اور دینی مسائل سیکھنے کے لیے مکی دور کی اولین درس گاہ تھی اور یہیں سے تبلیغی خدمات انجام دی جاتی تھیں، نیز یہاں کفار مکہ کے بچے بچیاں اور عورتیں قرآن کے آفاقی پیغام کو سنتے تھے اور مائل بہ اسلام ہوتے تھے:

> حضرت ابو بکر رقیق القلب انسان تھے، جب قرآن پڑھتے تو روتے، اس وجہ سے آپ کے پاس لڑکے، غلام اور عورتیں کھڑی ہو جاتیں، اور آپ کی اس ہیئت کو پسند کرتے، قریش کے چند لوگ ابن الدغنہ کے پاس گئے اور اس سے کہا: اے ابن الدغنہ تو نے اس شخص کو اس لیے تو پناہ نہیں دی تھی کہ وہ ہمیں تکلیف پہنچائے۔ وہ ایسا شخص ہے کہ جب نماز میں وہ کلام پڑھتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا ہے تو

[10] صحیح البخاری، کتاب الکفالۃ، باب جوار ابی بکر الصدیق فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس کا دل بھر آتا ہے اور وہ روتا ہے۔ اس کی ایک خاص ہیئت اور طریقہ ہے جس کی وجہ سے ہمیں بچوں، عورتوں اور دیگر لوگوں کے متعلق خوف ہے کہ کہیں یہ انھیں فتنے میں نہ ڈال دے؛ اس لیے تو اس کے پاس جا اور حکم دے کہ وہ اپنے گھر کے اندر رہے اور اس میں جو چاہے کرے"۔

چنانچہ ابن الدغنہ حضرت ابو بکر کے پاس آیا اور کہا کہ یا تو آپ اس طریقے سے باز آجائیں یا میری پناہ مجھے واپس لوٹا دیں۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا: میں نے تیری پناہ تجھے واپس کر دی۔ میرے لیے اللہ کی پناہ کافی ہے۔([11])

درس گاہ بیتِ فاطمہ

اسی طرح فاطمہ بنت خطاب کا گھر بھی دینی، تبلیغی، دعوتی، اور تربیتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ حضرت عمر بن خطاب کی بہن ہیں جنہوں نے ابتدائی دور میں ہی اپنے خاوند سعید بن زید سمیت اسلام قبول کر لیا۔ یہ دونوں میاں بیوی اپنے گھر میں ہی حضرت خباب بن الارت سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ حضرت عمر ایک دن اسلام لانے سے پہلے تلوار لیے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے نکلے؛ لیکن راستے میں اپنی بہن اور بہنوئی کے مسلمان ہونے کی خبر ملی تو انتہائی غصے کی حالت میں تلوار ہاتھ میں لے کر ان کے مکان پر پہنچے تو ان کو قرآن کی تلاوت اور تعلیم میں مشغول پایا ابن اسحاق نے لکھا ہے:

وَعِنْدَهُمَا خباب بنُ الارْتِ مَعَہ صحیفة فیها طه یقر هما ایاها۔([12])

ان دونوں کے پاس خباب بن الارت تھے جن کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۂ طہ لکھی ہوئی تھی جو وہ ان دونوں کو پڑھا رہے تھے۔"

حضرت عمر کی زبانی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بہنوئی کے یہاں دو مسلمانوں کے کھانے کا انتظام کیا تھا، ایک خباب بن الارت اور دوسرے کا نام مجھے یاد نہیں۔ خباب بن الارت میری بہن اور بہنوئی کے پاس آتے جاتے تھے اور ان کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ([13]) اس سلسلہ میں حضرت عمر کا یہ بیان ہے:

وکان القوم جُلوساً یقرؤن صحیفةً معهم۔[14]()

اور ایک جماعت بیٹھ کر صحیفہ پڑھ رہی تھی جو ان کے پاس موجود تھا"

بیت فاطمہ بنت خطاب کو مکی دور میں قرآن مجید کی تعلیم و اشاعت کا مرکز کہا جا سکتا ہے جہاں کم از کم دو طالب علم اور ایک معلم تھا۔ اور اگر حضرت عمر کے بیان میں لفظ "قوم" کا اعتبار کیا جائے تو یقینی طور پر یہاں قرآن پڑھنے والی ایک پوری جماعت کا پتہ چلتا ہے۔

---

[11] ابن ہشام۔ دخول ابی بکرؓ فی جوار ابن الدغنہ ورد جوارہ علیہ، ۱/ ۴۱۱

[12] ابن ہشام، اسلام عمر بن الخطابؓ ۱/ ۳۸۲

[13] السیرۃ الحلبیۃ، ۲/ ۱۳

[14] السمہودی، نور الدین علی بن احمد السیرۃ الحبیہ" ۲/ ۱۳ دار العفائس۔ الریاض

درس گاہِ شعب ابی طالب

کفارِ مکہ کو یہ خوش فہمی تھی کہ وہ اپنے وحشیانہ جبر و تشدد سے اسلام کی اس تحریک کو موت کی نیند سلا دیں گے؛ لیکن جب ان کی تمام مساعی اور تدبیروں کے باوجود اسلام کا دائرہ پھیلتا ہی چلا گیا اور انہوں نے دیکھا کہ حضرت حمزہ اور عمر جیسے لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور نجاشی کے دربار میں بھی ان کے سفیروں کو ذلت آمیز ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے تو اس چوٹ نے کفار مکہ کو مزید حواس باختہ کر دیا؛ چنانچہ ان لوگوں نے طویل غور وخوض کے بعد متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے؛ چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ کیا کہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے قربت کرے گا؛ نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا اور نہ ہی ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا۔ یہ معاہدہ لکھ کر کعبۃ اللہ کے دروازے پر آویزاں کر دیا گیا[15]

حضرت ابو طالب مجبور ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام خاندان بنی ہاشم سمیت شعب ابی طالب میں محرم ۷/ نبوی میں محصور ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان سمیت اس حصار میں تین سال بسر کیے۔ ایام حج میں چونکہ تمام لوگوں کو امن کی خواہش تھی؛ اس لیے حج کے موسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعب ابی طالب سے باہر نکل کر مختلف قبائلِ عرب کو دعوت دیتے؛ جبکہ باقی اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی گھاٹی میں مسلمانوں کی تربیت فرماتے۔ شعب ابی طالب میں خاندانِ بنی ہاشم کے علاوہ صحابہ کرام کی موجودگی کے اشارات بھی ملتے ہیں۔ امام سہیلی نے سعد بن ابی وقاص کا بیان نقل کیا ہے جو خود بھی محصورین میں شامل تھے۔ وہ فرماتے ہیں:

میں ایک دن از حد بھوکا تھا۔ رات کو اندھیرے میں میرا پاؤں کسی گیلی چیز پر آ گیا میں نے اسے اٹھا کر منہ میں ڈالا اور نگل لیا۔ مجھے اتنا ہوش بھی نہ تھا کہ میں پتہ کرتا کہ وہ کیا چیز ہے اور اب تک مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں"[16]

اسی طرح حضرت عتبہ بن غزوان نے ایک دفعہ خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتواں مسلمان تھا اور ہمارے پاس کھانے کے لیے درختوں کے پتوں کے سوا کچھ نہ تھا، حتی کہ ہماری باچھیں زخمی ہو گئیں"(17)

درس گاہِ دارارقم

حضرت ارقم بن ابی ارقم ابتدائی دور میں اسلام لانے والوں میں سے ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے بھی الاصابہ میں ابن سعدؒ کے قول کو ہی اختیار کیا ہے؛ تاہم ابن الاثیر کے مطابق حضرت ارقم کا قبول اسلام میں دسواں یا بارہواں نمبر ہے[18]

وَكَانَتْ دَارُه عَلَى الصَّفَاء۔[19]

"مکہ میں ان کا مکان کوہِ صفا کے اوپر تھا"۔

---

[15] ابن ہشام، خبر الصحیفۃ۔ ۱/ ۲۸۸

[16] الروض الانف، حدیث نقض الصحیفۃ، ۱/ ۲۳۲، حلیۃ الاولیا، تذکرہ سعد بن ابی وقاص، ۱/ ۱۳۶، ۱۳۵

[17] المسند، حدیث عتبہ بن غزوان، ح: ۲۰۰۸۶، ۲۲/ ۵۲۔ الاستیعاب، تذکرہ عتبہ بن غزوان ۳/ ۱۰۲۶۔ حلیہ الاولیا، تذکرہ سعد بن ابی وقاص، ۱/ ۱۳۴

[18] اسد الغابہ، تذکر ارقم بن ابی ارقم، ۱/ ۶۰

[19] المستدرک۔ تذکرہ ارقم بن ابی الارقم ۳/ ۵۰۲

دارِ ارقم کے نام سے شہرت حاصل کرنے والے اس مکان کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ مکان "دارُ الاسلام" کے متبرک لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے(20)

مشرکینِ مکہ جب اسلام کے پھیلاؤ کو کسی طرح بھی نہ روک سکے تو انھوں نے کمزور مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بیت اللہ میں آزادانہ نماز ادا کرنے سے روکتے، ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن میں خلل انداز ہوتے۔ دست درازی کرتے اور اکثر ان کا رویہ انتہائی گستاخانہ ہوتا تھا۔ حالات اس قدر نازک ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کے لیے گوشوں اور گھاٹیوں تک میں محفوظ اور آزادانہ طور پر عبادت اور نماز کا ادا کرنا ممکن نہ تھا۔

ایک دفعہ مسلمان مکہ کی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کے ایک گروہ نے انھیں دیکھ لیا اور ان کو سخت سست کہنا شروع کیا۔ بات بڑھتے بڑھتے لڑائی تک پہنچ گئی اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایک شخص کو اونٹ کی ہڈی کھینچ ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ یہ پہلا خون تھا جو اسلام کے بارے میں بہایا گیا"(21)

یہ وہ سنگین حالات تھے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لے کر "دارارقم" میں پناہ گزیں ہو گئے؛ تاکہ مسلمان پورے انہماک سے اپنے رب کے حضور اپنی جبینِ نیاز کو جھکا سکیں؛ چنانچہ جلد ہی "دار ارقم" دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا، جہاں پر نہ صرف لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا جاتا تھا؛ بلکہ ان کی مناسب تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفس بھی کیا جاتا تھا۔ ابن سعد اسد الغابہ میں اس کی تائید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں اس مکان میں رہتے تھے، لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور بہت سے لوگ یہاں مشرف بہ اسلام ہوئے"(22)

صاحب طبری نے بھی مکی عہدِ نبوت میں دارارقم کو دعوتی، تعلیمی اور تربیتی سرگرمیوں کا مرکز قرار دیا ہے، جہاں پر کثیر لوگوں نے اسلام قبول کیا؛ چنانچہ حضرت ارقم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَكَانَتْ دَارُه عَلَى الصَّفَا، وَهِيَ الدَّارُ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَكُوْنُ فِيْهَا فِيْ أَوَّلِ الإِسْلاَمِ وَفِيْهَا دَعَا النَّاسَ الىَ السَّلاَمِ فَأَسْلَمَ فِيْهَا قَوْمٌ كَثِيْرٌ-(23)

حضرت ارقم کا گھر کوہِ صفا پر واقع تھا، آغازِ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی گھر میں رہا کرتے تھے، یہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دعوتِ اسلام دیا کرتے تھے اور یہاں پر بہت سے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے"

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ دارارقم تعلیمی و تربیتی مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ مکی عہد میں دعوتی انتظام و انصرام کا بھی مرکز تھا۔

---

[20] ابن سعد تذکرہ ارقم بن ابی ارقم۔ ۳/۲۴۳

[21] ابن ہشام مباداۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قومہ وماکان منھم، ۱/۲۳۶

[22] المستدرک تذکرہ ارقم بن ابی ارقم، ۳/۵۰۲

[23] الطبری، محمد بن جریر۔ تاریخ الامم والملوک" ۳/۱۲۳۰

یہ ارقم بن ابی ارقم وہی ہیں جن کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں قریش سے پوشیدہ مقیم رہتے تھے۔ کھل کر سامنے آنے سے قبل، اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت ارقم کا یہ مکان مکہ میں کوہِ صفا پر واقع تھا؛ چنانچہ یہاں پر بہت بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا"(24)

دارارقم کو مرکزِ اسلام بننے کے بعد دعوت و تبلیغ کا کام قدرے اطمینان کے ساتھ ہونے لگا۔ دعوتِ اسلام کا یہ وہ مرحلہ ہے جس میں مکہ مکرمہ کے بے کس، غریب اور غلام اس نئی تحریک میں اپنی دنیا و آخرت کی نجات تصور کرتے ہوئے داخل ہوتے تھے۔

نیز دارارقم نہ صرف ضعفائے اسلام کی جائے پناہ تھی؛ بلکہ یہاں صحابہ کرام کی تعلیم وتربیت کے ساتھ اجتماعی طور پر عبادات، ذکر اللہ اور دعاؤں کا سلسلہ ہمہ وقت جاری رہتا تھا۔ اس میں وہ دعا خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن خطاب اور (ابو جہل) عمرو بن ہشام میں سے کسی ایک کے قبولِ اسلام کے لیے مانگی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن حضرت عمر (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں اپنی بہن فاطمہ بنت خطاب کے گھر سورۂ طٰہٰ کی تلاوت سنی تو کایا ہی پلٹ گئی، ان کو مائل بہ اسلام دیکھ کر حضرت خطاب بن الارت نے انھیں خوشخبری کے انداز میں بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دارارقم میں یہ دعا کرتے سنا ہے:

اَللّٰهُمَّ أَيِّدِ الاسْلاَمَ بِأبي الْحَكَمِ بْنِ هِشَامٍ أوْ بِعُمَر بْنِ الْخَطَّابِ۔(25)

"اے اللہ! ابو الحکم بن ہشام یا عمر بن خطاب سے اسلام کی تائید فرما"؛ چنانچہ حضرت عمر یہاں سے سیدھے دارا رقم پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔

دارارقم بحیثیت دارالشوریٰ

دارارقم "دارالاسلام" ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمان کے لیے "دارالشوریٰ" بھی تھا۔ پہلی اور دوسری ہجرتِ حبشہ جیسے اہم معاملات بھی اسی جگہ باہمی مشاورت ہی سے انجام پائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا! اگر تم سرزمین حبشہ کی طرف نکل جاؤ تو وہاں ایک بادشاہ ہے، جس کے یہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ وہ سچائی کی سرزمین ہے، حتی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اس مشکل سے نجات دلا دے جس میں تم گرفتار ہو"(26)

ان الفاظ پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خطاب صحابہ کرام کے کسی اجتماع سے ہی ہو گا جو دارارقم میں انعقاد پذیر ہو گا۔ اسی طرح ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جمع ہوئے اور باہمی مشاورت سے طے کیا کہ قریش نے قرآن کو اپنے سامنے بلند آواز سے پڑھتے ہوئے کبھی نہیں سنا، لہٰذا کوئی ایسا شخص ہو جو یہ فریضہ انجام دے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ ذمہ داری قبول کی اور قریش کو ان کی مجلس میں جا کر قرآن کی طرف دعوت دی(27)

البتہ یہ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام کی یہ مجلس مشاورت کہاں پر منعقد ہوئی؟ تاہم غالب گمان یہی ہے کہ یہ مجلسِ مشاورت دارارقم ہی میں قائم ہوئی ہو گی؛ کیونکہ اس کے علاوہ صحابہ کا اجتماع کسی اور جگہ پر مشکل تھا۔

---

24 ابن عبد البر "الاستیعاب الاصحاب" تذکرہ ارقم بن ابی الارقم ۱/۳۱۔ دار الجلیل بیروت ۱۹۹۲ء

25 ابن ہشام اسلام عمر بن الخطاب ۱/۳۸۳۔ الکامل فی التاریخ ۲/۵۸

26 ابن ہشام، ذکر الہجرۃ الاولی الی ارض الحبشۃ، ۱/۳۵۸

27 ایضاً اول من جہر بالقرآن، ۱/۳۵۱

جس طرح"عام الفیل" اور "حلف الفضول"، جیسے واقعات کے حوالے سے اہلِ مکہ اپنی معاصر تاریخ کے واقعات کا تعین کرتے تھے، مسلمان مورخین بھی مکی نبوت میں سیرت و تاریخِ اسلام کے واقعات کا تذکرہ اور اندراج بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں فروکش ہونے کے حوالے سے کرتے ہیں۔ مثلاً مورخ ابن الاثیر نے مسعود بن ربیعہ، عامر بن فہیرہ، معمر بن حارث وغیرہ کے تراجم (تذکروں) میں وضاحت کی ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں منتقل ہونے سے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔ اسی طرح معصب بن عمیر، صہیب بن سنان، طلیب بن عمیر، عمار بن یاسر، عمر فاروق وغیرہ کے تذکروں میں ابن الاثیر نے تصریح کی ہے کہ یہ لوگ دارارقم میں جاکر اسلام کی دولت سے مالامال ہوئے تھے(28)

مہاجرینِ مکہ میں سے اولین وسابقین اسلام کے قبول دینِ حق کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا ہے کہ وہ حضرات کون کون تھے جو دارارقم کو دعوتِ دین کا مرکز بنانے کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ابن سعد نے مندرجہ ذیل صحابہ کرام کے تذکروں میں یہ بات خصوصیت سے ذکر کی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں تشریف فرماہونے سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے:

حضرت خدیجہ، ابو بکر، عثمان غنی، علی المرتضی، زید بن حارثہ، عبیدہ بن حارث، ابو حذیفہ بن عتبہ، عبداللہ بن جحش، عبدالرحمن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، خباب بن الارت، مسعود بن ربیع، واقد بن عبداللہ، عامر بن فہیرہ، ابوسلمہ بن اسد، سعید بن زید، عامر بن ربیعہ، خنیس بن حذافہ، عبداللہ بن مظعون اور حاطب بن عمرو۔

اسی طرح ابن سعد نے ان بزرگوں کی بھی نشاندہی ضروری سمجھی ہے جو دارارقم کے اندر آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان صحابہ کرام میں حضرت صہیب، عمار بن یاسر، معصب بن عمیر، عمر بن خطاب، عاقل بن ابی بکر، ایاس بن ابی بکر اور خالد بن ابی بکر شامل ہیں(29)

خلاصہ:

مورخینِ اسلام اور سیرت نگاروں کی مذکورہ بالا تصریحات سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آنے والے طالبانِ حق کو دعوتِ اسلام دیتے تھے اور جو یہاں آیا فیض ہدایت پا کر ہی نکلا۔ دارارقم مسلمانوں کے لیے اطمینانِ قلب کا مرکز تھا، بالخصوص نادار، ستائے ہوئے اور مجبور و مقہور اور غلام یہاں آکر پناہ لیتے تھے۔ یہاں پر ذکر اللہ اور وعظ و تذکیر کا فریضہ بھی مسلسل انجام پاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ اجتماعی دعائیں بھی فرماتے تھے۔ حضرت خباب کے بیان سے تو یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ محسنِ انسانیت یہاں راتوں کو بھی بندگان خدا کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور التجا فرماتے تھے۔ اس مکان میں مبلغینِ اسلام کی کارکردگی کا جائزہ لیا جاتا تھا، تبلیغ کے آئندہ منصوبے بنتے تھے اور خود مبلغین کی تربیت کا کٹھن کام بھی انجام پاتا تھا۔ دارارقم کے تربیت یافتہ معلّمین میں سے حضرت ابو بکر ،خبابن الارت، عبداللہ بن مسعود اور مصعببن عمیر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ دارارقم مسلمانوں کے لیے "دارالاسلام" ہونے کے ساتھ ساتھ "دارالشوریٰ" بھی تھا، جس میں باہمی مشاورت سے آئندہ تبلیغ کے منصوبے بنتے تھے۔ ہجرتِ حبشہ کا فیصلہ بھی باہمی مشورہ سے یہیں پر طے ہوا، اور اس جگہ کو تاریخِ اسلام میں وہی مقام حاصل تھا جو قریش کے ہاں دارالندوہ کو حاصل تھا۔ دارارقم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پناہ گزین ہونا ایک تاریخ ساز مرحلہ تھا اور یہ بھی حلف الفضول، حرب الفجار اور عام الفیل جیسا واقعہ تھا جس طرح کفار مکہ اپنی معاصر تاریخ کا تعین ان واقعات

28 اسد الغابہ

29 ابن سعد، ۳/ ۴۲۵، ۲۷۳، ۱۱۵

سے کرتے تھے، اسی طرح مسلمان مورخین بھی مکی عہد نبوت میں پیش آنے والے واقعات کا تعین دارارقم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داخل ہونے سے قبل اور بعد کے حوالے سے کرتے ہیں۔ حضرت ارقم ان لوگوں میں سے جو اسلام کی دولت سے سرفراز ہو گئے تھے اور انھوں نے شروع میں ہی اپنے مکان کو تعلیمی، تربیتی اور دعوتی سرگرمیوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جو مکی دور میں اسلام کی نشرواشاعت کا اہم ترین مرکز قرار پایا۔ مورخین کے مختلف بیانات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ دارارقم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی مدت ایک سال سے بہرحال زائد تھی۔ کفارمکہ مسلمانوں کے دارارقم میں پناہ گزیں ہونے سے پوری طرح واقف تھے؛ تاہم دارارقم کی اندرونی سرگرمیوں اور منصوبہ بندیوں سے وہ قطعاناواقف تھے۔ شعب ابی طالب میں صحابہ کرام کی موجودگی کا بھی واضح طور پر اشارہ ملتا ہے۔ محصوری کے اس دور میں جس قدر وحی نازل ہوئی، یقیناشعب ابی طالب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس کی تعلیم دی ہوگی اور یہاں صحابہ کرام بھی دینی امور پر تبادلہ خیال کرتے ہوں گے۔ اس لحاظ سے شعبِ ابی طالب کو بھی مکی عہدِ نبوت کا ایک دعوتی مرکز قرار دیا جاسکتا ہے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تین سال تک تعلیم و تعلم اور دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے۔

عہد نبوی کے نظامِ تعلیم کے جائزہ سے دورِ حاضر میں استفادہ کي صورتیں

۱۔ نصاب میں دیني علوم کي اولیت:

پاکستان کے نظامِ تعلیم میں برائے نام دیني علوم کو مدِ نظر رکھا جاتا ھے اسلامي تعلیمات کے جملہ علوم کو محض ایک مضمون کے طور پر شامل کیا گیا ھے اور بچوں کے لیے عصري علوم کو زیادہ ترجیح دي گئي ھے۔ پاکستان کے نظامِ تعلیم میں بھي قرآن کو اولیت حاصل ھوني چاھیئے۔ دورِ رسالت کے نظامِ تعلیم کي خصوصیت یہ تھي کہ اس نظام میں دیني علوم بالخصوص قرآن کو اولیت حاصل ھے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے اس کي اھمیت کو مد نظر رکھتے ھوئے فرمایا:

خَيرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهُ[30]

"تم میں سے افضل شخص وہ ھے جو قرآن سیکھے اور سکھائے"۔

۲۔ لازمي تعلیم:

پاکستان میں عموماً لوگوں کے اندر یہ رجحان پایا جاتا ھے کہ وہ لڑکوں کو تعلیم دلوانے کي طرف زیادہ رجحان رکھتے ھیں اور بچیوں کو تعلیم دلوانے پر توجہ نھیں دیتے پاکستان کے نظامِ تعلیم میں مرد اور عورت سب کے لیے تعلیم کو لازمي قرار دینا چاھیئے اس میں مرد اور عورت کي تفریق نھیں ھوني چاھیئے اور معاشرے کے عام افراد کو قرآن و سنت کي ضروري تعلیم سے آراستہ کرنے کا اھتمام کرنا چاھیئے۔ دورِ فاروقي کي ایک خصوصیت یہ تھي کہ اس میں تعلیم کو ھر فرد کے لیے لازمي قرار دیا گیا نہ کہ اس کے حصول کے لیے مردوں میں تفریق کي گئي۔ جیسا کہ ارشادِ نبوي ﷺ ھے کہ:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَة عَلٰي كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ۔

"علم کا حاصل کرنا ھر مسلمان مرد و عورت پر فرض ھے"۔

[30] بخاري، محمد بن اسماعیل،(۱۴۰۵ھ)،الصحیح،کتاب فضائل القرآن ، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمه،رقم الحدیث،۴۷۳۹،۴،۱۹۱۹

۳۔عالمگیر نظام:

پاکستان میں محض امیر طبقہ اپنے بچوں کو اچھے سے اچھي تعلیم دلوا سکتا ھے اور غریب لوگ اپنے بچوں کو اچھے سے اچھے سکولوں میں اچھي تعلیم نھیں دلوا سکتے پاکستان کے نظامِ تعلیم میں تعلیم کو کسي خاص گروہ یا قبیلے کے لیے خاص نھیں ھونا چاھیئے اور نہ زبان اور رنگ و نسل کا امتیاز ھونا چاھیئے بلکہ تعلیم تمام شہریوں کے لیے عام ھوني چاھیئے۔

دورِ رسالت کے نظامِ تعلیم کي خصوصیت یہ بھي تھي کہ یہ نظامِ تعلیم کسي کسي ایک قبیلے گروہ کے لیے مخصوص نھیں کیا گیا اور نہ اس میں داخلہ کے لیے امتیاز رنگ و نسل، وطن اور زبان کا سوال کیا گیا بلکہ اس کي جامعیت اور وسعت کا کمال یہ ھے کہ یہ تعلیم تمام مسلمانوں کے لیے عام کر دي گئي۔

۴۔اخلاقِ رذیلہ کي روک تھام:

پاکستان میں عموماً بچوں کو تمام علوم میں مھارت دي جاتي ھے لیکن ان کي اخلاقیات کي طرف توجہ نھیں دي جاتي اور ان کے اخلاقِ رذیلہ کي روک تھام کے لیے کوئي عملي اقدامات نھیں کیے جاتے۔

دورِ رسالت کے نظامِ تعلیم کي خصوصیت یہ بھي تھي کہ اس نظامِ تعلیم میں جو نصاب مروج کیا گیا ھے اس کے مطابق لوگوں کو اخلاقِ حسنہ کي ترغیب دي گئي ھے اور اخلاقِ رذیلہ کي روک تھام کي گئي ھے۔([31])

۵۔عمر کي قید سے رھائي:

پاکستان میں عموماً لوگوں کے اندر یہ خیال پایا جاتا ھے کہ جب وہ دراز عمر ھو جائیں تو تعلیم حاصل کرنے میں شرم محسوس کرتے ھیں پاکستان کے نظامِ تعلیم میں یہ خصوصیت حاصل ھوني چاھیئے کہ تعلیم کے حصول کے لیے کسي قسم کي کوئي عمر قید نھیں ھوني چاھیئے۔ دورِ رسالت کے نظامِ تعلیم کي خصوصیت یہ بھي تھي کہ اس نظام میں تعلیم کے حصول کے لیے عمر کي قید نھیں لگائي گئي۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أُطْلُبُوْ الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَي اللَّحَد

"ماں کي گود سے لے کر لحد تک علم حاصل کرو"۔

۶۔مفت تعلیم:

پاکستان میں غریب طبقہ اپنے بچوں کو اعليٰ تعلیم نھیں دلوا سکتا اس کي وجہ یہ ھے کہ وہ تعلیم کے اخراجات برداشت نھیں کر سکتے اس لیے ان کے قابلِ صلاحیت بچے تعلیم کي دولت سے محروم ھو جاتے ھیں۔ اسلیے پاکستان میں اعليٰ تعلیم غریب طبقے کے لیے مفت ھوني چاھیئے۔

دورِ رسالت میں لوگوں کو مفت تعلیم مھیا کي جاتي تھي اور اس پر کسي قسم کا معاوضہ قبول نھیں کیا جاتا تھا اور طلبہ کي تمام ضرورتیں معاشرہ قبول کرتا تھا۔

---

[31] مسلم سجاد(س ن) ،اسلامي ریاست میں نظامِ تعلیم ،اسلام آباد، انسٹي ٹیوٹ آف پالیسي سٹڈیز،ص:۸۸

۷۔ غیر مخلوط نظامِ تعلیم:

پاکستان کے نظامِ تعلیم میں مخلوط نظامِ تعلیم رائج ہے جبکہ مخلوط نظامِ تعلیم عیسائی نظامِ تعلیم کی پیداوار ہے۔ اسلام کے کسی دور میں اس کا وجود نہیں ملتا۔ اور یہ دلیل بھی غلط ہے کہ مخلوط تعلیم پر اخراجات کم اٹھتے ہیں اور بالفرض ایسا ہو تب بھی اس استدلال سے کوئی ناجائز کام جائز نہیں ہو سکتا۔ اسلیے پاکستان میں مردوں اور عورتوں کی تعلیم کا الگ بندوبست ہونا چاہیئے۔

دورِ رسالت میں مردوں اور عورتوں کی تعلیم کا علیحدہ بندوبست کیا گیا تھا اس عہد میں غیر مخلوط تعلیم پر زور دیا گیا تھا اور مخلوط تعلیم کو ناپسند کیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی درسگاہ غیرت اور شرم وحیاء کا مکمل نمونہ تھی۔[32]

۸۔ آخرت کی جوابدہی کا احساس:

پاکستان کے نظامِ تعلیم میں عموماً طلبہ وطالبات میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ وہ تعلیم کو محض اپنا مستقبل سنوارنے کے لیے اور روزگار حاصل کرنے کے لیے حاصل کرتے ہیں اور تعلیم کے حقیقی معنوں سے روشناس نہیں ہوتے اسلیے پاکستان کے نظامِ تعلیم میں یہ خصوصیت ہونی چاہیئے کہ طلبہ وطالبات کو تعلیم کے حقیقی مقاصد سے آگاہی دینی چاہیئے۔

دورِ رسالت میں جو نصابِ تعلیم رائج تھا اسکا بنیادی مقصد یہ تھا کہ انسان کو اپنی تخلیق اور کائنات کی تخلیق کا حضرت عمرِ فاروق شعور ہو جائے اور انسان کا تعلق اپنے خالقِ حقیقی سے جڑ جائے تاکہ اس میں خوفِ الٰہی اور آخرت کی جوابدہی کا احساس پیدا ہو جائے۔

۹۔ دین و دنیا کی یکجائی:

پاکستان کے نظامِ تعلیم میں عموماً دنیاوی تعلیم پر توجہ دی گئی ہے اور دین و دنیا میں تفریق پیدا کی گئی ہے اور دنیاوی علوم کو دینی علوم پر ترجیح دی گئی ہے۔

اسلامی نصابِ تعلیم کے مطابق دین و دنیا میں تفریق نہیں کی گئی بلکہ دین و دنیا کو یکجا کر کے دکھایا گیا اور روح، فکر، اخلاق، ٹیکنالوجی اور سب فرقے انتشار کے بجائے ایک مرکز کے گرد ایک رشتہ وحدت میں منسلک رہے۔

۱۰۔ تعمیرِ کردار:

پاکستان کے نظامِ تعلیم میں عموماً حصولِ معاش کے لیے تعلیم حاصل کی جاتی ہے اور اس میں تعمیرِ شخصیت، روح کی پاکیزگی، اخلاق کی بلندی اور کردار کی تعمیر پر توجہ نہیں دی جاتی۔

اسلامی نظامِ تعلیم کے مطابق علم کے حصول کا مقصد صرف معاش نہیں ہے بلکہ اسلام میں علم تعمیر شخصیت، روح کی پاکیزگی، اخلاق کی بلندی اور کردار کی تعمیر کے لیے ہے۔

عہد رسالت کے نظامِ تعلیم سے استفادہ کے لیے تجاویز و آراء

آج کل اُمت مسلمہ کو اگرچہ متعدد بحرانوں کا سامنا ہے، تاہم ان میں سب سے زیادہ سنگین اور سب سے زیادہ دُوررس اثرات مرتب کرنے والا تعلیم کا بحران ہے۔ اگر ہر شعبۂ زندگی میں ہمارے معاملات صحیح طور پر نہیں چلائے جا رہے ہیں تو بالآخر اس کی وجہ وہ نظام ہے جو اُمور زندگی کو

[32] عبد الرحمن(۲۰۰۱ء) نظامِ تعلیم میں نصابی خامیوں کا تجزیہ تعلیمی زاویے لاہور،ص:۱۸۰۔۱۸۱

چلانے کے لیے افرادِ کار تیار کرتا ہے۔ دوسری طرف اسی لیے اس مسئلہ کا حل مستقبل کے لیے یقیناً اُمید کی سب سے بڑی کرن ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر نظام تعلیم درست ہو جائے تو باقی تمام اداروں کے صحیح راستے پر آنے کی اُمید بھی کی جا سکتی ہے۔

1. سب سے پہلے پرانے نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم کو بدلا جائے۔
2. نصاب کو منتخب کرنے کے لیے کئي سالوں تک تحقیق کي جائے۔
3. تدوینِ نصاب بچوں کي نفسیاتي اور معاشرتي ضروریات کے مطابق ھو تاکہ ان میں نا امیدي اور مایوسي کے رجحانات کا خاتمہ ھو۔
4. نظامِ تعلیم ایسا ھو جو بچوں کو درسِ تعلیم کے ساتھ ساتھ جذبہ قومیت کي بھي تربیت کرے تاکہ وہ بڑے ھو کر ذاتي مفاد کے مقابلے میں قومي مفادات کو ترجیح دیں۔
5. نصاب میں سیرتِ طیبہ، تاریخ اسلام اور تقابلِ ادیان جیسے مضامین کو اھمیت دي جائے۔
6. درسِ نظامي میں جدید علوم یعني معاشیات، سیاسیات، انگریزي، ریاضي اور سائنس کو بھي نصاب کا حصہ بنایا جائے۔
7. دیني مدارس میں مکمل قرآن پاک کو ترجمہ وتفسیر کے ساتھ شاملِ نصاب کیا جائے تاکہ طلبہ وطالبات قرآن مجید میں موجود تعلیمات سے روشناس ھو سکیں۔
8. نصاب میں طلبہ وطالبات کے مسائل کو حل کرنے کے لیے تجاویز کو شامل کیا جائے تاکہ ان میں احساس کمتري اور انتھا پسندي کو فروغ نہ مل سکے۔
9. مختلف تعلیمي سطحوں کے نصاب میں باھمي ربط کي ضرورت ھے۔
10. تدوینِ نصاب کے لیے ایسي کمیٹیاں بنائي جائیں جن میں ذمہ دار، باکردار، تعلیم یافتہ اور تجربہ کار لوگ ارکان کي حیثیت سے شامل ھوں۔
11. طلبہ وطالبات میں ملک وملت کي تعمیر میں مثبت کردار ادا کرنے کا جذبہ پیدا کیا جائے تاکہ جذبہ حب الوطني کو فروغ ملے۔
12. طلبہ وطالبات کے قلوب واذھان میں رحم دلانہ جذبات واحساسات کو پختہ کیا جائے اور ان میں اعلیٰ اخلاقي اقدار کو فروغ دیا جائے تاکہ ان میں خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا ھو سکے۔
13. نصاب میں بزرگانِ دین اور سلف صالحین کے احوال وواقعات کے مطالعے کا شغف پیدا کیا جائے۔
14. ثانوي سطح پر جدید علوم کے ساتھ ھر مسلمان طالب علم کو اسلامي عقائد اور اسلامي زندگي کے ضروري احکام سے واقف کروایا جائے اور سیرت النبي ﷺ کي تعلیم اور اس حوالے سے تفھیم حدیث کو بھي نصاب کا حصہ بنایا جائے۔

15. عربي زبان كو لازمي مضمون كي حيثيت دي جائے تا كہ طلبہ و طالبات اسلام كي اصل روح كو پوري طرح سمجھ سكيں۔

16. سيرت النبي ﷺ كے مضمون ميں حضور ﷺ كي پوري سوانح حيات اور بالخصوص جنگي حكمتِ عملي كو تفصيل كے ساتھ بيان كيا جائے۔

17. ثانوي سطح پر انگلش كے نصاب ميں Mr.Chips ناول كو ختم كر كے حضور ﷺ كي حياتِ مباركہ كو بيان كيا جائے تا كہ طلبہ آپ ﷺ كي ذات كو اپنا Ideal بنائيں۔ اس كے علاوہ [illegible] [illegible] اور ديگر فضول كهانيوں كے بجائے قومي هيروز كو نصاب ميں شامل كيا جائے تا كہ طلبہ ان كے عظيم كارناموں سے روشناس هو سكيں۔

18. هر تعليمي ادارے كي لائبريري ميں ثقافتي ورثہ، اسلامي تاريخ و تهذيب، تحريك اور اسلامي تعليمات پر مبني كثير تعداد ميں كتب موجود هوں جن سے طلبہ استفادہ كر سكيں۔

19. نصاب ميں ايسے عنوانات كو شامل كيا جائے جس سے بين المسالك هم آهنگي اور بين المذاهب رواداري كو فروغ ديا جا سكے۔

20. خطبہ حجۃ الوداع كے اهم نكات كو عصرِ حاضر سے relate كر كے تفصيل كے ساتھ بيان كيا جائے اور اس كي اهميت سے طلبہ كو روشناس كروايا جائے كيونكہ خطبہ حجۃ الوداع هي عالمي امن كا ضامن ثابت هو سكتا هے۔

21. طلبہ و طالبات ميں نصاب كے ذريعے قومي محبت اور قومي خدمت كا جذبہ ابهارا جائے۔

22. تعليمي اداروں بالخصوص ديني مدارس ميں مسلكي فرقہ واريت كا خاتمہ كيا جائے تا كہ طلبہ ميں وسعت نظري اور عدم جارحيت كو فروغ مل سكے۔

23. طلبہ و طالبات كو اسلام كي اصل روح سے روشناس كروايا جائے۔

درج بالا تجاويز و آراء كي روشني ميں يہ حقيقت اظهر من الشمس هو جاتي هے كہ عالمي سطح پر بالعموم اور وطنِ عزيز ميں بالخصوص تعليمي اداروں ميں نصاب سازي پر نظرِ ثاني كي ضرورت هے۔ ضرورت اس امر كي هے كہ تعليمي نظام پر توجہ دي جائے اور هميں عملي طور پر ايسے اساتذہ كي تياري كے ليے تربيتي نظام وضع كرنا هو گا جو هم آهنگ نظام تعليم كے مقاصد كا نہ صرف واضح ادراك ركهتے هوں بلكہ نئے نظام تعليم كے انقلابي عمل ميں بهي مركزي كردار ادا كر سكيں۔ وہ اپنے كلاس روم كے تجربات كو سامنے ركهتے هوئے دوسرے قدم كے طور پر نئے سرے سے درسي كتب لكهنے كا كام بهي شروع كريں۔([33])

[33] گيلاني، مناظر احسن،(۱۹۸۲ء) ،هندوستان ميں مسلمانوں كا نظامِ تعليم ،لاهور، مكتبہ رحمانيہ ،ص:98